قرآن کی جامع اور متفق علیہ تفسیر کی ضرورت

ڈاکٹر ریحانہ فردوس
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

قرآن کا ابتدائی خطاب تمام انسانیت سے تھا اسی لیے مکی سورتیں جو مقدار کے اعتبار سے قرآن کے آدھے سے زیادہ حصے پر مشتمل ہیں اور جن کا تعلق زیادہ تر ایمان اور عقیدہ سے ہے۔ ان میں اکثر و بیشتر دنیا کے عام انسانوں کو خدا کے دین کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ مدنی سورتوں میں بھی اگرچہ احکام کا مخصوص خطاب اہل ایمان کی طرف ہے۔ لیکن ان کی عام روح تمام انسانوں کی طرف متوجہ ہے اور عمومی طور پر پورے قرآن کے اندر ہر جگہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اس کا مقصد پوری نوع بشر کی ہدایت کرنا ہے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ نے خدا کے دین کو تمام انسانوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہاں ہم یہ سوال اٹھانا چاہتے ہیں کہ کیا ہمارے مفسرین نے بھی اپنے اپنے دور میں یہی طریقہ اختیار کیا اور قرآن کی جملہ تعلیمات کو تمام انسانوں کے سامنے پیش کیا اور اس کتاب الٰہی کو انسانوں کے لیے جامع ہدایت سمجھ کر تمام دنیا والوں کے لیے مکمل تشریح و تفسیر کے ساتھ پیش کیا؟ کیا انہوں نے کبھی قرآن کو اسلام کی عالمی دعوت کا اصل الاصول بنا کر انسانوں کے سامنے پیش کیا؟ کیا تاریخ کے مختلف ادوار میں مفسرین نے قرآن کی عمومی دعوت کو لے کر اس کی تشریح و تعبیر کرتے ہوئے اسلامی دنیا سے باہر کہیں کا رخ کیا؟

تاریخ کا ایک طائرانہ جائزہ لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سوال کا سو فیصد مثبت جواب دینا مشکل ہے۔ اسلام اور قرآن کی دعوت کو باقی دنیا کے سامنے پیش کرنا سب مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

اسلامی تاریخ کی شروع کی صدیوں میں یہ کام مسلمانوں نے بہت اچھی طرح انجام دیا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ ابتدائی صدیوں میں قرآن کی زندہ تفسیریں موجود تھیں۔ یعنی یہ لوگ اپنے عمل اور سیرت و کردار سے قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اسی لیے پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے اسلام متمدن دنیا کے بیشتر گوشوں میں پھیل گیا۔ اور اس کی دعوت ایک عالمی دعوت بن گئی۔ لیکن بعد کی صدیوں میں دین اور سیاست کو آپس میں اس طرح الجھا دیا کہ باقی دنیا کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسلام دراصل نام ہے سیاسی اقتدار کا۔ دنیا یہ سمجھی کہ اسلام کا اصل مقصد صرف دنیا پر حکومت کرنا ہے اور دوسری قوموں پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ یہاں ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ سیاسی غلبہ حاصل کر کے خطوں اور ملکوں پر حکومت تو کی جا سکتی ہے۔ دلوں پر نہیں۔ جب کہ اسلام کا مقصد دلوں کو فتح کرنا تھا۔ لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شروع کی صدیوں میں مسلمانوں نے سیاسی اور ملکی فتوحات حاصل کی تھیں اسلام انہیں کے اندر سکڑ کر رہ گیا، اسی لیے بعد کے زمانے میں جو تفسیریں لکھی گئیں ان کا خطاب صرف ان مسلمانوں سے تھا جو اسلام کی سرحدوں کے اندر رہتے تھے۔ پھر بعد میں یہ طریقہ عام ہو گیا۔ اور اب تک ہمارے مفسرین اپنے وژن (Vision) کو وسیع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ آج اس روئے زمین پر مسلمانوں کی تعداد بیس فیصدی سے زیادہ نہیں اور رسول برحق کی دعوت اس کی حقانیت اور اس کی فرضیت میں کوئی فرق نہیں آیا تو سوال یہ ہے کہ یہ بیس فیصدی مسلمان یہ کیوں نہیں سوچتے کہ باقی اسی فیصدی انسانوں کو بھی اللہ کے دین میں تلقین و تبلیغ کے ذریعہ لانا ان کا دینی فریضہ ہے۔ اس بحث کی تحقیق خود اپنی جگہ پر ایک بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کسی زمانے میں مسلمانوں نے پورے قرآن کو اس کی بنیادی تعلیمات کو اس کی حقیقی دعوت کو غیر مسلم دنیا کے سامنے اجتماعی اور منظم طور پر پیش نہیں کیا۔ آج اس کام کی جتنی ضرورت ہے۔ شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ آج کا انسان اخلاقی و روحانی طور پر نہ صرف حد سے زیادہ بھٹکا ہوا ہے بلکہ وہ اپنی روحانی تشفی کے لیے سرگرداں اور متلاشی بھی رہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ آج شر و فساد کے طوفان میں وہ کیسے زندہ رہے۔ کہاں سے ہدایت حاصل کرے۔ ایسے میں کاش ہمارے مفسرین حضرت محمد ﷺ کی عالمی دعوت کو پھر سے دنیا کے سامنے پیش کرنے کی سعی کریں۔ کیا یہ وہی کتاب الٰہی نہیں کہ جس نے تیئس برس کی قلیل مدت میں عرب میں ایک زبردست اخلاقی اور روحانی انقلاب برپا کیا تھا۔ آج دنیائے اسلام جس طرح اپنے مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ اور وہ صرف اپنے ہی مسائل کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ اسی طرح دین اسلام کا تعلق بھی صرف مسلمانوں سے رہ گیا ہے۔ وہ اپنے ہی اندر ایک دوسرے سے الجھتے رہتے ہیں۔ انہیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اپنے حالات

درست کر کے اس عالمی فریضے کی طرف بڑھیں جس کی طرف قرآن نے ان کو مستقل دعوت دی ہے۔

کیا قرآن کے مرکزی تصورات کو کسی نے مربوط انداز میں پیش کیا ہے؟

قرآن کے مطالعے کے سلسلے میں یہ بات بے حد اہم ہے کہ ہمیں پہلے یہ معلوم ہو کہ اس کے اندر بنیادی اور اساسی وہ کون سے تصورات ہیں جن پر خدا کے دین کی عمارت کھڑی ہے۔ اور پھر یہ معلوم ہو کہ مجموعی طور پر قرآن کی تعلیمات اور ہدایت کا اصل مقصد کیا ہے؟ اور وہ کون سے بنیادی امور ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب کے ذریعہ انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت فرمائی ہے؟

ان چیزوں کا تعین اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کوئی ادب اور فلسفے کی کتاب نہیں۔ بلکہ وہ کتاب ہدایت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں جو بھی ہدایت ہوگی وہ اتنی جامع، واضح اور قابل عمل شکل میں ہوگی کہ جس کا احاطہ کرنا ایک عام انسان کے لیے آسان اور ممکن ہو۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یوں تو قرآن میں بہت سے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ جن کا تفصیلی تذکرہ تفسیروں میں ملتا ہے۔ لیکن دراصل قرآن کے اندر صرف چند بنیادی علوم بیان کیے گئے ہیں۔ اور ان کے علاوہ قرآن کے اندر جو کچھ کہا گیا ہے وہ انہیں امور کی تشریح و تفصیل ہے اور وہ یہ امور ہیں:

۱۔ عقائد۔

۲۔ خیر و شر کی تمیز۔

۳۔ ہدایت الٰہی کی ضرورت۔

۴۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے اور ان کو اللہ کا حقیقی منشاء جاننے کے لیے نبی و رسول کی ضرورت۔

۵۔ ایک صالح معاشرے کی تشکیل اور اس کے لیے ضروری احکامات۔

۶۔ تمام انسانوں کو اللہ کی ہدایت کی طرف دعوت اور ان کو ایک ایمانی اور اخلاقی وحدت میں لانے کا ارادہ اور منصوبہ۔

۷۔ عدل کا قیام۔

یہ ہیں وہ بنیادی مسائل جن کا تذکرہ قرآن میں بار بار آیا ہے۔ کہیں تفصیل سے اور کہیں اجمال سے۔ انہیں مقاصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہیں تو اپنی بے شمار نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور انسان پر اپنے انعامات اور احسانات کا۔ اور کہیں یہ فرمایا ہے کہ اس نے خود انسان کے نفس میں اور اس کے باہر یعنی آفاق میں بھی اپنی بے شمار نشانیاں رکھی ہیں۔ جن کو دیکھ کر وہ اپنے رب اور خالق کی حقیقت اور عظمت سے واقف ہو سکتا ہے۔ اور خوشی سے اس کی طاعت و بندگی قبول کر سکتا ہے۔ اور

کہیں گذشتہ اور نافرمان قوموں کے عبرت ناک انجام کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ اس نے تمام کائنات اور انسانوں کے لیے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے۔ جو اس کی حکمت و دانائی پر مبنی ہے۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس لیے کوئی انسان یا انسانی گروہ اگر اللہ کی سنت کو چھوڑ دے تو اس کا وہی انجام ہوگا جو پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔ پھر اس نے تمام انسانوں سے یہ فرمایا ہے کہ ہمارے احکامات، ہمارا ارادہ اور منشا جاننے کے لیے ضروری ہے کہ تم انبیاء علیہم السلام کی طرف رجوع کرو اور ان کی پیروی کرو۔ تاکہ احکام کی اصل روح اور حقیقت تم پر واضح ہو۔

قرآن کے ان بنیادی مقاصد کی تعلیم اور ان تمام جزوی باتوں اور احکام کا مقصد اولاً یہ ہے کہ دنیا میں انسان ایک اچھا، نیک اور عادل معاشرہ قائم کریں۔ اور اس کے اندر رہ کر اللہ کی طاعت و بندگی کا صحیح مظاہرہ کر سکیں۔ اور اس طرح دنیاوی زندگی میں اپنے انفرادی اور اجتماعی حالات کو درست کر سکیں اور ثانیاً جب اس دنیا سے دوسری دنیا میں جائیں تو وہاں بھی ان کی سعادت اور خوشی کا سلسلہ جاری رہے۔ اور جس طرح وہ اس دنیا میں اللہ کی عنایات کے مستحق ہوتے تھے اسی طرح دوسرے عالم میں بھی اسی کے مستحق ہوں۔ قرآن میں بہت سے جزوی مسائل ہیں جن کا تعلق انہیں بنیادی امور سے ہے جن کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے۔ عام طور پر تفسیروں میں یہ باتیں الگ الگ تو بیان ہوئی ہیں مگر ان جزئیات کو ان کلیات سے مربوط کر کے بیان نہیں کیا جاتا۔ جس کی وجہ سے مختلف تفسیروں کو پڑھنے کے بعد یہ تاثر قائم نہیں ہوتا کہ کتاب اللہ کے یہ واضح اور متعین مقاصد ہیں۔

پھر ان مرکزی تصورات کو اس طرح بھی پیش کیا جا سکتا ہے کہ تمام دنیا کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں اور سمجھیں کہ یہ دعوت اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ جیسا کہ قرآن نے اعلان کیا کہ ان ھوالا ذکر للعالمین۔ یہ ہدایت الٰہی سارے انسانوں کے واسطے ہے۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے محمد ﷺ کو سارے عالموں کے لیے رحمت اور بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ قرآن کی دعوت کو عالمی دعوت بنا کر پیش کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اہل عالم کے سامنے پیش کیا جائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی سیرت کو بھی اس کے اصلی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اسلام کی دعوت کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے تو یہ دونوں کام از سر نو کچھ اصول و ضوابط طے کر کے دوبارہ کرنے چاہییں۔ ایسی تفسیریں جو صرف مسلمانوں کے لیے لکھی گئی ہوں اس فریضہ کو ادا نہیں کر سکتیں۔ مفسرین کو دنیا کے حالات اور تمدن عالم کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر قرآن کی

تفسیر بیان کرنا ہوگی۔ قرآن کے مرکزی اور اساسی تعلیمات پر مفسرین کا اتفاق انتہائی ضروری ہے۔ موجودہ تفسیروں میں جو انتشار پایا جاتا ہے اسے دور کرنا بے حد ضروری ہے۔ علمائے مفسرین اس اتفاق کو ایک جامع تفسیر کی شکل میں پیش کریں جس کا سمجھنا سب کے لیے آسان ہو اور یہ معلوم ہو کہ جملہ طور پر زندگی کے حقائق اور مسائل کے بارے میں قرآن کی یہ تعلیمات ہیں۔ ضروری نہیں ہر مسئلے پر سب کا اتفاق ہو۔ لیکن بنیادی مسائل پر تو اکثریت کا اتفاق ہوسکتا ہے اور یہ اسلام کی عالمی دعوت کے لیے ضروری بھی ہے۔ اس کے نہ ہونے سے تاریخ میں اسلامی معاشرہ ہمیشہ انتشار کا شکار رہا۔ مختلف مذاہب تفسیر پیدا ہوئے اور قرآن کی متضاد تفسیریں لکھی گئیں۔ لہٰذا اس سے اسلام کا اصل پیغام نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء کی ایک بڑی جماعت ایک ساتھ بیٹھ کر قرآن کے معانی اور احکام پر غور کرے اور ان کی روشنی میں قرآن کی ایک مشترکہ تفسیر تیار کرے۔ اس سے نہ صرف مسلمانوں کو فائدہ ہوگا بلکہ غیر مسلموں کو بھی اسلام کی دعوت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ مغرب میں بائبل کے متعلق کئی بار اس طرح کا کام ہو چکا ہے۔ اگرچہ وہاں عیسائی فرقوں کی تعداد ان گنت ہے۔ اس کے باوجود وہاں کے لوگ کتاب مقدس کے جملہ احکام اور اس کی ہدایات کے بارے میں بڑی حد تک متفق ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ عیسائی مبلغین اس کتاب کو لے کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئے ہیں اور اس کی تعلیم سے کروڑوں انسانوں کو عیسائیت کے دائرے میں داخل کرلیا ہے۔ لیکن مسلمان تو خود اپنی کتاب پر متفق نہیں ہیں۔ تو وہ دوسروں کو اس کی تبلیغ کیسے کریں گے۔ مثلاً ایک ظاہری تفسیر ہے اور ایک باطنی دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ دونوں باتیں عام انسانوں کے سامنے کیسے پیش کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح ایک خالص روایتی تفسیر ہے جو احادیث اور آثار پر مبنی ہے مگر اس میں حد درجہ اختلاف رائے ہے۔ اس تفسیر کو آج کس طرح سمجھا جائے۔ اسی طرح مختلف زاویوں سے تفسیریں لکھی گئیں جو اکثر ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ ان تالیفات سے قرآن کو سمجھنے میں مدد کم ملتی ہے رکاوٹ زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک بات بالکل واضح ہے کہ دنیا کا ہر مسلمان چاہتا ہے کہ قرآن کے تمام ارشادات اور اس کی ہدایات کو ایسی زبان ایسے پیرائے میں بیان کیا جائے جو سمجھ میں آئے تاکہ اس پر عمل بھی ہوسکے۔ یہ کام ہر دور میں ہوسکتا تھا اور آج بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن اسلام کی پوری تاریخ میں ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی ایک تفسیر ایسی تیار کی گئی ہو جس پر سب متفق ہوں۔ ہمارے نزدیک یہ قرض امت مسلمہ پر ابھی تک باقی ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور قرآن کی ایک جامع اور متفق علیہ تفسیر دنیا کے سامنے پیش

کرے۔

کیا قرآن آج بھی تمام انسانوں کو کامل ہدایت مہیا کرسکتا ہے؟

اس بات میں مسلمان دو رائے نہیں رکھتے کہ قرآن کتاب ہدایت ہے۔ اور جو ہدایت ایک فرد یا ایک قوم کے لیے ضروری اور کافی ہوگی۔ وہی دوسرے افراد اور اقوام کے لیے کافی ہوسکتی ہے۔ ہدایتیں مختلف قسم کی نہیں ہوتیں۔ ہدایت تو صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ اور سچی ہدایت وہی ہے جو خدا کی طرف سے ہو اور اس کے انبیاء کے ذریعہ انسانوں تک پہنچی ہو۔ جب قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو تمام عالم کی طرف نبی بنا کر بھیجا اور فرمایا: وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔ (28:34) اے محمد ﷺ ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے واسطے خوشخبری سنانے والے، ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور فرمایا: وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ (107:21) اور ہم نے تمہیں تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تو اس سے خدا کا منشا ظاہر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ ہدایت جو اس نے اپنے نبی کے ذریعے دنیا میں بھیجی ہے وہ تمام عالم کے لیے کافی ہے۔ اور چونکہ آنحضرت خاتم النبیین ہیں۔ ان پر دین کی تکمیل ہوگئی۔ اور آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی نعمت کو مکمل کردیا۔ تو یہی مکمل دین اور یہی مکمل نعمت ہر دور ہر زمانے اور ہر جگہ کے انسانوں کے لیے کافی ہوگی۔ انسان خواہ آنحضرت ﷺ کے دور کا ہو یا بعد کے دور کا ہو۔ اور دنیا کے کسی خطے کا اس کو ہدایت صرف یہیں سے مل سکتی ہے۔ اور جب خدا کا دین کامل ہوگیا تو یہ ہدایت بھی ہر پہلو سے کامل ہدایت ہے۔ اس سے باہر ہدایت تلاش کرنا صرف گمراہی ہے۔

مختصر یہ کہ آج بھی دین اسلام تمام دنیائے انسانیت کی اخلاقی، دینی رہنمائی کرسکتا ہے اور اس کے دامن کے علاوہ انسانیت کو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ پھر جب ہم اس ہدایت کے اساسی اصولوں پر غور کرتے ہیں۔ تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ہدایت تو صرف یہی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ان الدین عنداللہ الاسلام۔ کہ دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اس ہدایت کے دو بنیادی عناصر کا ذکر ہم نے اوپر کیا۔ کچھ اور پہلو یہاں بیان کرتے ہیں، جن سے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ یہ ہدایت کس طرح آج بھی تمام انسانیت کے لیے بہترین ثابت ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ہے کہ محض زبانی اور علمی طور پر کوئی ہدایت مؤثر نہیں ہوسکتی جب تک اس کا عملی نمونہ سامنے نہ ہو اور زندگی کے عام حالات میں اس کی تصویر نظر نہ آئے اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے ایک طرف تو خدا کی کتاب اور دین کی علمی اور

زبانی توضیح فرمائی۔ اور دوسری طرف اپنے عمل اور سیرت سے اس کا مفہوم واضح کیا۔ اور انسانوں کے لیے بہترین انسانی نمونہ پیش کیا۔ اور یہی وہ نمونہ ہے جو نہ صرف ملت مسلمہ کی وحدت کا راز ہے۔ بلکہ یہی وہ معیار ہے جس پر تمام انسانیت متحد اور متفق ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خیر اور اخلاق کا دنیا میں سب سے اچھا نمونہ وہی ہے جو آنحضورؐ نے پیش کیا۔

لہٰذا اگر وہ اس نمونہ کو اختیار کریں تو یقیناً ان کو وہ سعادت اور اطمینان مل سکتا ہے۔ وہ روحانی تسکین حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کی دنیا ہمیشہ سے پیاسی رہی ہے اور آج بھی ہے۔ اس ہدایت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس دنیا میں خوش آئند زندگی گذارنے کے کچھ احکامات دیے ہیں جن پر عمل کر کے وہ نیکی اور عدل کی زندگی گذار سکتے ہیں۔ یہ عادلانہ زندگی دراصل اخروی سعادت اور فلاح کی ضمانت ہے۔ اسی کو اسلام کی زبان میں عقیدہ آخرت کہا گیا ہے۔ جب تک انسان کے سامنے جوابدہی کا یہ تصور نہ ہو اس سے تمام تر خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس عقیدہ پر تمام دنیائے انسانیت کو جمع کیا جا سکتا ہے۔

ان تصورات کے ساتھ اسلام نے معاشرہ انسانی کے لیے کچھ قدریں بھی دی ہیں۔ انہیں میں سے ایک وحدت انسانیت کا نظریہ ہے۔ اس تصور کو قرآن نے بہت زور سے پیش کیا ہے۔ اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب اور کسی تمدن میں نہیں ملتی۔ قرآن میں بار بار آیا ہے کہ اللہ نے تمام انسانوں کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے۔ اور ان کو ایک ہی دین کے تابع رکھا تھا۔ لیکن بعد میں انہوں نے اپنے جداگانہ طرز زندگی اختیار کر لیے۔ مختلف گروہوں میں بٹ گئے مگر اسلام کی دعوت آج بھی یہی ہے۔ اگر تمام دنیا اس خالص دین پر مجتمع ہو جائے جس پر وہ ابتداء میں تھی۔ تو قوموں اور ملکوں کے جھگڑے بڑی حد تک مٹ سکتے ہیں۔ اگر نہ بھی مٹیں تو ذہنی اور جذباتی طور پر دنیا کے انسان یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ وہ ایک ہی نسل اور ایک ہی امت کے افراد ہیں۔ اور یہ اپنی جگہ خود ایک نعمت ہے۔

انسانی معاشرے کی صحت و خوشحالی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک تصور اور دیا ہے کہ انسان ہونے کے ناطے تمام انسان برابر ہیں۔ رنگ نسل اور قومیت کی کوئی اصل نہیں اور اسلام اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ اگر ان تعصبات کا خاتمہ ہو جائے تو بڑی حد تک دنیا کے انسان ایک ہو جائیں۔ بہت سے مسائل حل ہو جائیں اور بین الاقوامی تعلقات کے بہت سے مسائل اور مشکلات آسانی سے حل ہو جائیں۔ اور اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک اور قیمتی اصول "اخوت" کا دیا ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ خدا کے دین میں شریک ہوں تو وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یعنی دین کی وحدت سے ایک ایسا رشتہ پیدا

ہو سکتا ہے جو تمام دوسرے انسانی رشتوں سے زیادہ مضبوط ہو سکتا ہے۔ جب تمام انسان خدا کے دین کو قبول کر کے رشتہ اخوت میں منسلک ہو جائیں تو ان کو نہ صرف باہمی تقویت اور خوشی حاصل ہوگی بلکہ دنیا سے شر اور فساد بھی مٹ جائے گا۔ یہ سب خیالی باتیں نہیں۔ بلکہ تاریخ کے ایک وسیع دور میں ان قدروں پر عمل ہو چکا ہے۔ اور آج بھی دنیا میں یہ قدریں زندہ ہیں۔ اس لیے ہدایت کی یہ تصویر قرآن کی تفسیر کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کی جائے تو وہ دنیائے انسانیت کے لیے یکساں مفید ہو سکتی ہے۔ یقیناً اسلام ہی دین انسانیت ہے اور اسی کے ذریعہ دنیا کو کامل ہدایت مہیا کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا خدا کی کتاب ہدایت یعنی قرآن مجید کو دنیا کے لوگوں کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ دنیا کے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مسلمانوں کا قرآن ہے بلکہ یہ سمجھیں کہ یہ ہمارا قرآن ہے۔

قرآن مجید کے آٹھ

منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ

(تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی)

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

صفحات: ۲۶۴

قیمت: ۳۰۰ روپے

ناشر: دار التذکیر،

رحمن مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ،

لاہور

اہل ہند پر "صابئین" کا اطلاق

محمد اعظم سعیدی
مہتمم جامعہ اسلامیہ کورے وال ٹرسٹ

ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصری والصبئین من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ج ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

ترجمہ۔ بیشک اہل ایمان اور جو لوگ یہودی ہیں اور نصاریٰ اور صابئین ہیں (ان میں سے) جو شخص بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کیے تو ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۶۲)

اس آیت مبارکہ کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو مسلمان ہیں، یہودی، نصرانی اور صابئین ہیں ان میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے گا ان کے اس عمل کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر اس آیت میں میرا موضوع تحقیق صرف صابئین ہیں کہ یہ قوم کون سی قوم ہے؟ اس کا مسکن کہاں ہے؟ یہ قوم کس مذہب کی پیروکار ہے؟ اس کا شمار اہل کتاب میں ہے یا مشابہ اہل کتاب میں ہے یا یہ محض تخیلات کے پیروکار ہیں؟

قرآن مجید میں کئی ایک بڑی بڑی معروف قوموں کے نام موجود ہیں جن میں سے چند ایک ایسے نام بھی ہیں جن کے بارے میں ہمارے مفسرین و مورخین تا حال یہ حتمی فیصلہ نہیں کر سکے کہ یہ کون سی قومیں ہیں ان میں سے ایک صابئین ہیں، یہ قوم بہت بڑی قوم تھی اور قرآن مجید نے بھی اس منفرد قوم کا مسلمانوں، یہود اور نصاریٰ جیسی بڑی قوموں کے ساتھ ذکر کر کے اسے ایک اہم قوم قرار دیا ہے چنانچہ صابئین کو بھی ان تینوں قوموں کی طرح ایک بڑی مذہبی قوم کی حیثیت سے ہونا چاہیے۔ مگر ہمارے محققین، مفسرین، محدثین، مورخین اور فقہاء عظام نہ صرف اس قوم یا امت کا متفقہ دائرہ متعین نہیں کر سکے بلکہ اپنے مختلف فیہ اقوال کے باعث صابئین کی شناخت کو مزید دھندلا گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اب قاری کا حقیقت تک پہنچنا مشکل تر ہو گیا ہے ان مختلف فیہ اور غیر تحقیقی اقوال کی ایک جھلک ملاحظہ ہو

حضرت حسن بصری صابئین کو ملائکہ پرست قرار دیتے ہیں۔[1]

بقول فقیہ ابو اللیث سمرقندی، امام ابو یوسف اور امام محمد انہیں فرشتوں کا پجاری قرار دیتے ہیں۔[2]

مجاہد کا ایک قول یہ ہے کہ صابئین کا کوئی دین نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ یہودیوں اور مجوسیوں کے درمیان کی ایک قوم ہے۔[3]

خلیل کا قول یہ ہے کہ صابئین کا دین نصاریٰ کے دین کے مشابہ ہے مگر یہ قوم حضرت نوح کے دین پر ہونے کی دعویدار ہے۔[4]

علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ روم کے صابئین ستارہ پرست ہیں جبکہ ہندوستان کے صابئین بت پرست ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صابئین بت پرست نہیں بلکہ یہ لوگ ستاروں کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جیسے ہم کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں نیز ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ موحد ہیں اور ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔[5]

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، علامہ قرطبی کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔ اسحاق نے کہا صابئین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ ان کا ذبیحہ کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[6]

علامہ بیضاوی نے بھی ایک قول نقل کیا ہے کہ صابئین ستارہ پرست ہیں۔[7]

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ صابئین زبور کر پڑھنے والا اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے۔[8]

علامہ شامی لکھتے ہیں قہستانی کا قول یہ ہے کہ صابئین کا ذبیحہ حلال ہے کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اقرار کرتے ہیں اور بدائع میں مذکور ہے کہ صابئین زبور کو اپنی کتاب مانتے ہیں اور ممکن ہے ان کے بہت سے فرقے ہوں۔[9]

مولانا حسین علی واں بھچراں ابن کثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں والصابئین یہ لوگ بھی اہل کتاب ہی کا ایک گروہ ہیں فرقہ من اہل الکتاب۔[10]

مولانا محمد احمد اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں اور صابئین، مراد وہ فرقہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے تھے یا فرشتوں کو پوجتے، ایران کے قدیم آتش پرستوں کو اور ہندوستان کے قدیمی بت پرستوں کو اسی فرقہ کی شاخیں ہونا بتلایا گیا ہے۔[11]

ہمارے مفسرین و فقہاء کے مذکورہ اقوال سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ صابئین ملائکہ پرست یعنی

فرشتوں کے پجاری ہیں۔۔۔ بے دین ہیں۔۔۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا مکسچر ہیں۔۔۔ ان کا دین عیسائیوں کے دین کے مشابہ ہے۔۔۔ یہ اپنے آپ کو دین نوح کا پیروکار کہتے ہیں۔۔۔ رومن صابئی ستارہ پرست ہیں۔۔۔ ہندوستانی صابئی بت پرست ہیں۔۔۔ ستاروں کو مؤثر مانتے ہیں۔۔۔ یہ بت پرست نہیں۔۔۔ ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں جیسے ہم کعبے کی تعظیم کرتے ہیں۔۔۔ یہ موحد ہیں۔۔۔ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہیں۔۔۔ ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے بت پرست صابئی ہیں۔ زبور پڑھنے والے اہل کتاب ہیں۔ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔۔۔ یعنی مذکورہ گیارہ حوالوں میں صابئین کو پندرہ شکلوں میں متشکل کیا گیا ہے، یہ گنجلک صورتحال اس لئے پیدا ہوئی کہ صابئین ایک انتہائی قدیم قوم ہے جو روم، جزیرۃ العرب، شمالی افریقہ، فارس اور ہندوسندھ میں مقیم تھی، یہ قوم مختلف خطوں میں منقسم ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف فرقوں میں بھی بٹتی گئی یہی وجہ ہے کہ محققین کو اس کی شناخت میں دقت پیش آئی۔

صابئین کی شناخت کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے وہ یہ کہ قرآن مجید میں جن صاحب شریعت رسولوں کا ذکر خصوصی اہمیت کے ساتھ بار بار آیا ہے ان میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفی ﷺ کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

واذاخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراہیم وموسیٰ و عیسی ابن مریم ص واخذنا منھم میثاقا غلیظا۔

ترجمہ۔ اور جب ہم نے لیا نبیوں سے ان کا اقرار، اور آپ سے اور نوح وابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور لیا ہم نے ان سے پکا عہد و اقرار (سورہ احزاب آیت ۷)

اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی او حینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقو فیہ۔ (ترجمہ) تمہارے لئے (اللہ نے) وہی دین مقرر فرمایا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو یہ کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (سورۂ شوریٰ آیت ۱۳)

سورۂ احزاب کی آیت (۷) میں پختہ عہد و اقرار کے حوالے سے جن پانچ محترم و مکرم رسولوں کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے انہی پانچ رسولوں کو عطائے دین اور پھر اسکو اپنی اپنی امتوں میں قائم رکھنے اور

تفرقہ نہ ڈالنے دینے کا حکم سورۂ شوریٰ میں دیا گیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا محکم و مستحکم دین تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اصول عقائد اور مہمات دین میں بھی مشترک ہیں مگر یہ اشتراک حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت شیث کے آخری عہد اور حضرت نوح علیہ السلام کے ابتدائی عہد تک انسانوں میں کفر و شرک کی آمیزش ہو چکی تھی اس لئے حضرت نوح پہلے صاحب شریعت رسول ہیں جن کو یہ مہمات و معاملات پیش آئے اب صابئین کی شناخت اور احزاب و شوریٰ کی آیات کے دونوں زاویوں میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ جس طرح بڑی بڑی قوموں، مسلمان، یہودی، نصاریٰ اور صابئین (بقرہ آیت ۶۲) کا ایک ساتھ ذکر ہوا ہے اسی طرح صاحب شریعت رسولوں حضرت محمد مصطفی، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر دو بھی دین کے حوالے سے ایک ساتھ ہوا ہے۔ مسلمان، یہودی اور عیسائی اپنے اپنے پیغمبروں کی امت سے معروف و مشہور ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے قرآن میں مذکور تو ہیں۔ (۱۲) مگر مفقود ہیں لیکن ان کا دین، دین حنیف اور ان کی امت حنفاء مکہ کتب تواریخ و تذکرہ میں موجود و مذکور ہیں لیکن حضرت نوح علیہ السلام کے دین اور ان کی قوم و ملت کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ اسی طرح صابئین جیسی بڑی قوم کی محققین کی طرف سے کوئی متفقہ نشاندہی نہیں ملتی۔ ایران و جزیرۃ العرب کے مفسرین عظام کے اقوال اور چند صحابہ و تابعین کی روایات یا تو اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں یا محض قیاسات ہیں۔ نیز ہمارے مفسرین، محدثین، مورخین اور فقہاء عظام نے صابئین کا جو حدود اربعہ متعین فرمایا ہے وہ شام، عراق اور ایران کی فصیل میں ہے، شام اور عراق میں صبی نام کا ایک بہت ہی اقلیتی فرقہ پایا جاتا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا دعویدار تھا یہ فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ما قبل کے تمام انبیاء کرام کو تسلیم کرتا تھا لیکن مابعد کے کسی نبی کو نہیں مانتا تھا ہمارے اہل علم اسلاف نے زیادہ تر اسی صبی فرقہ کو ہی صابئین قرار دیا ہے۔

سورۂ احزاب اور شوریٰ کی آیات کے پیش منظر میں قرائن اس بات کی واضح نشاندہی کرتے ہیں کہ صابئین ہی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں جیسا کہ ابتداء میں گذر چکا ہے نیز مولانا شمس نوید عثمانی لکھتے ہیں کہ تفسیر ابن کثیر میں عبدالرحمٰن بن زید کا یہ قول درج ہے کہ صابئین اپنے آپ کو حضرت نوح کے دین پر بتاتے تھے۔[۱۳] اس کے علاوہ صابئین کو اہل کتاب یا اہل کتاب کا فرقہ بھی کہا گیا ہے جیسا کہ ابتداء میں مذکور ہوا مگر ان کی کتاب کی نشاندہی کسی نے نہیں کی۔

صابئین کی شناخت کا تیسرا طریقہ اقوام کی تقسیم کے حوالے سے بھی متعین کیا جا سکتا ہے جیسا کہ سید سلیمان

ندوی لکھتے ہیں اسلام نے دنیا کی تمام اقوام کو چار انواع میں تقسیم کیا ہے اول مسلمان یعنی جو لوگ قرآن مجید کو آخری الہامی کتاب اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو آخری نبی مانتے ہیں دوم اہل کتاب یعنی وہ اقوام جو قرآن میں مذکور آسمانی کتب وصحائف میں سے کسی ایک کے پیروکار ہوں، سوم مشابہ اہل کتاب یعنی وہ اقوام جو کسی آسمانی کتاب کی پیروی کے دعویدار ہوں لیکن وہ کتاب یا صحیفہ قرآن میں مذکور نہ ہو۔ چہارم کفار یعنی وہ منکرین قومیں جو کسی آسمانی کتاب کی پیروکار نہیں ہیں۔ ۱۴ سید سلیمان ندوی کی تحریر کردہ ان انواع میں دو مزید قسموں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ پنجم وہ قوم جو کہ اپنی کتاب کو آسمانی کتاب یقین کرتی ہو مگر قرآن اس کتاب کے معروف نام کی تصدیق نہ کرتا ہو لیکن اس کتاب کی بیشتر تعلیمات واحکامات الہامی کتب سے مشابہ ہوں، ششم وہ قوم جو کسی کتاب وصحیفہ کی دعویدار تو نہ ہو مگر اپنے عقائد کو الہامی تعلیمات کا حصہ سمجھتے ہوں جیسے مکہ کے حنفاء۔

اقوام کی مذہبی تقسیم میں غور کرنے سے مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور حنفاء مکہ کی واضح نشاندہی ہو جاتی ہے کہ یہ قومیں حضرت محمد مصطفیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام سے منسوب ہیں لیکن حضرت نوح کی قوم پردۂ اخفاء میں ہے اور قوموں میں صابئین کس پیغمبر کی قوم ہیں یہ بھی پردۂ اخفاء میں ہے ایسی صورت میں جب قرائن وقیاسات اس کی اجازت وشہادت دیتے ہیں اور ہمارے بعض علماء ان کو اہل کتاب، مشابہ اہل کتاب قرار دے کر ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی خواتین سے نکاح کو جائز قرار دے چکے ہیں تو صابئین کو قوم نوح تسلیم کرنے میں منطقی طور پر کیا حرج ہے۔

صابئین کی شناخت کا چوتھا زاویہ اسطرح ہے کہ دنیا بھر کی تمام قوموں کو دو نسلوں یعنی سامی اور غیر سامی میں تقسیم کیا گیا ہے یہودیوں، عیسائیوں اور جزیرہ نمائے عرب کے تمام بنی اسماعیلیوں کو سامی یعنی سیمیٹک (Semetic) نسل قرار دیا جاتا ہے جبکہ آرین قوموں کو غیر سامی یا آرین نسل شمار کیا جاتا ہے اس تقسیم کو بین الاقوامی طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس پر مزید طرہ یہ کہ قرآن مجید بھی نوع انسانیت کی دو نسلوں میں تقسیم کی تائید کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ ان میں سے ایک نسل کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام سے ہے اور دوسری کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔

اولئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین من ذریۃ آدم ق وممن حملنا مع نوح ز ومن ذریۃ ابراہیم واسرائیل
ومن ھدینا واجتبینا ط۔

ترجمہ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے انبیاء سے جو کہ اولاد آدم سے ہیں۔ اور (ان کی اولاد میں سے) بعض کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اور بعض ابراہیم واسرائیل

(یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور ہم نے ان کو پسند کیا۔ ۱۵

اس آیت میں منعم علیہم انبیاء کرام کی دو نسلوں کا واضح ذکر ہوا ہے یعنی اولاد آدم میں سے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کی نسل الگ ہے اور حضرت ابراہیم وحضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل یعنی بنی اسمٰعیل وبنی اسرائیل الگ ہیں۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ یہودی اور عیسائی بنی اسرائیلی ہیں تو حجاز کے قبائل بنی اسمٰعیلی ہیں اور یہ دونوں اولاد ابراہیم ہیں جنہیں سامی کہا گیا ہے مگر حضرت نوح اور آپ کے ساتھیوں کی نسل کونسی ہے؟ تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صابئین ہی حضرت نوح کے ساتھیوں کی نسل ہے اور یہی آرین ہیں۔ یہی قوم نوح ہیں، یہی ملت نوح ہیں جو ایران ودیگر ممالک کے علاوہ ہندوستان میں بھی مقیم ہیں۔

کیا صابئین اہل ہند ہیں

مذکورۃ الصدر چار زاویوں میں حسن تطبیق سے روز روشن کی طرح ایک نتیجہ تو یہ طلوع ہوا کہ صابئین ہی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں اور دوسرا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آرین اور ہندوسندھ کی قومیں ہی صابئین ہیں پھر ایک دور ایسا بھی آیا تھا کہ آرین، حملہ آور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں رچ بس گئے یعنی آرین بھی انڈین ہو گئے گویا تین سے پانچ ہزار سال قبل مسیح صابئین کی وسیع اکثریت ہندوستان میں جمع ہو گئی تھی۔ آرین صابئین ستارہ پرست تھے جبکہ ہندوستانی صابئین چاند پرست تھے۔ مگر غاصب مذہب نے چاند پرستوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ جیسا کہ سید قاسم محمود لکھتے ہیں ہندوؤں کے عقائد، آریوں کا مذہب، بیتارتھ وید، رامائن وغیرہ ان کی مذہبی کتب ہیں ان کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہ چند کتب وید پر مشتمل ہیں جن کی تاریخ تشکیل کے بارے میں ہندوستان اور بین الاقوامی مؤرخین میں شدید اختلاف ہے بعض آراء کے مطابق یہ (وید) ازل سے چلی آرہی ہیں اور خیالات کی رو سے یہ پانچ ہزار سال قبل مسیح میں مرتب ہوئی ان کا مذہب آریائی مذہب سے متاثر ہوا۔ ۱۶

اس حوالے سے کہ اہل ہند ہی صابئین ہیں اور یہی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں، محققین کے افکار ونظریات ملاحظہ فرمائیں۔ سید سلیمان ندوی صابئین کو قدیم ہندوستانی تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مغضوب اور ضال جس طرح اہل کتاب میں ہیں، اپنی اپنی مزاجی کیفیت کی بناء پر وہی صورتیں متاخذ شبہ اہل کتاب میں بھی ہیں جن کی دو جماعتوں سے ہم کو قرآن نے متعارف کرایا ہے وہ مجوس اور صابئین ہیں جن میں ایران قدیم اور ہند قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں۔ ۱۷ اسی سے ملتی

جلتی بات مولانا عبید اللہ سندھی نے بھی اپنے مضمون میں لکھی ہے کہ ایران اس زمانے میں آرین یعنی صابی قوموں کا مرکز بن چکا تھا، اس سے پہلے ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی۔[18]

ان دونوں حوالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صابی قوموں کو ایران سے پہلے ہندوستان میں مرکزیت حاصل تھی اور صابئین مشابہ اہل کتاب ہیں، نیز ہمارے محققین علمائے تفسیر نے صابئین کے متعلق جو متضاد قیاسات تحریر کیے ہیں وہ سب کے سب اہل ہند پر پورے اترتے ہیں اگرچہ مفسرین نے مختلف قوموں کو صابئین قرار دیا ہے مگر فی زمانہ وہ جملہ تشریحات و قیاسات اہل ہند میں ایک ہی جگہ پائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے مختلف ادوار میں مختلف قومیں صابئین کی تعریف پر پوری اترتی ہوں۔ لیکن موجودہ دور میں یہ تعریفات و تصریحات اسی ہندی قوم پر ہی صادق آتی ہیں، ہندو مذہب کے محقق مولانا شمس نوید عثمانی نے ہندوؤں اور صابئین کے مذہبی مشترکات میں جو تطبیق دی ہے اس کی مختصر تلخیص یہ ہے کہ موصوف عثمانی صاحب نے صابئین کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام اسحٰق، ابو الزناد، ابن تیمیہ، امام غزالی، امام راغب اصفہانی، معالم، ابن جریر، ابن کثیر، امام کلبی، علامہ شوکانی، قاضی بیضاوی، عبد الماجد دریابادی اور سید سلیمان ندوی کے مختلف اقوال اکٹھا کر کے نتیجے کے طور پر ہندوؤں اور صابئین کے کئی مذہبی مشترکات اخذ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل ہند ہی صابئین ہیں۔[19]

اس امر کے منکشف ہونے میں کوئی التباس نہیں رہا کہ صابئین کا اطلاق اہل ہند پر ہی ہوتا ہے اور آرین صابئین بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہزاروں برس پہلے ہندوستان میں آگئے تھے اور جو محققین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کشمیر اور ہندوستان میں آنے کے دعویدار ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آرین یعنی ہندی صابئین کو بھی پیغام حق پہنچایا تھا اور اسی طرف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اشارہ کیا ہے کہ۔۔۔ مسیح ضرور ایسے بزرگ تھے جنہوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں بالفاظ دگر صابئین یا آرین قوموں میں بھی پہنچانے کی کوشش کی۔[20]

اہل ہند قوم نوح ہیں؟

ویدک دھرم یعنی ہندوؤں کا مذہب متفقہ طور پر تمام مذاہب میں سے قدیم ترین مذہب ہے جبکہ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے صاحب شریعت رسول ہیں، ویدک دھرم کی قدامت اور صاحب شریعت رسول ہونے میں حضرت نوح علیہ السلام کی اولیت کے مابین حسن تطبیق موجود ہے یعنی اہل ہند ہی قوم نوح ہیں چنانچہ فرانسیسی مصنف اے، جے، اے ڈیوبوئیس نے چالیس برس تک ہندو

تہذیب و تمدن اور ان کی مذہبی رسوم و رواج پر تحقیق کرنے کے بعد جو محققانہ ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں۔۔۔ عملی طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ جس سیلاب عظیم نے پوری دنیا کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی ہندوستان آباد ہوا تھا۔[21] یعنی ہندوستان کی انسانی آبادی حضرت نوح اور ان کے ساتھیوں کی نسل ہے یہی ڈیوبوئیس مزید لکھتے ہیں۔۔۔ مختصر یہ کہ ہندو جس مشہور شخصیت سے بہت عقیدت رکھتے ہیں اس کا نام مہانووو (Mahanuvu) ہے جو سات رشیوں سمیت کشتی کے ذریعے طوفان / سیلاب سے محفوظ رہے وہ شخصیت مہانووو، مہا نووو، دو لفظوں کا مرکب ہے ایک مہا یعنی عظیم اور دوسرا نووو جو کہ بلاشبہ نوح ہی ہے۔[22] نیز اسی مہانووو ہے کو ویدوں اور پرانوں میں منو بھی کہا اور لکھا گیا ہے اور اس شخصیت سے مراد بھی حضرت نوح کو ہی لیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ منو کا لفظ دیگر ہندو مذہبی شخصیات کے لئے بھی استعمال ہوا ہے لیکن ویدوں اور پرانوں میں مذکور منو سے مراد یقیناً نوح علیہ السلام ہیں جیسا کہ ویدوں کے انگریز شارح گرفتھ نے رگ وید ۱۔۱۳ کے چوتھے اشلوک میں لفظ منو کی تشریح میں لکھا ہے کہ۔۔۔ منو بہترین شخصیت کے حامل اور انسانوں کے نمائندہ تھے جملہ نوع انسانیت کے باپ اور پہلی شریعت کے شارع تھے۔ گرفتھ کی یہ بات اس لئے قابل قبول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اولین صاحب شریعت رسول ہونے اور سیلاب عظیم کے بعد نسل انسانی کے باپ (آدم ثانی) ہونے میں کسی کو اختلاف ہی نہیں ہے۔

ہندو مذہب و تہذیب کے محقق ڈیوبوئیس، منو یا مہانووو کو (حضرت) نوح قرار دیتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔۔۔ یہ سات رشی جس کشتی میں سوار ہو کر (سیلاب کی) عالمگیر تباہی سے بچ گئے تھے اس کشتی کو وشنو یعنی خدا خود چلا رہا تھا۔ بچ جانے والوں میں ایک اور عظیم شخصیت منو (مہانووو) کی تھی جسے میں نے دوسرے مقامات پر ثابت کیا ہے کہ وہ شخصیت نوح کے علاوہ کوئی نہیں تھی۔ نیز اسی سیلاب کا تفصیلی ذکر توریت و انجیل کے مقابلے میں ہندو کتب میں تفصیل سے ملتا ہے۔[23] علاوہ ازیں اہل ہند کے قوم نوح ہونے میں ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اکثر قومیں اور ملتیں اپنے اپنے پیغمبر کے حوالے سے ہی اپنے سال یا سنین مقرر کرتے ہیں جیسے مسلمان حضور اکرم ﷺ کی ہجرت سے اپنا سن شمار کرتے ہیں عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے اپنا سن مقرر کرتے ہیں اسی طرح اہل ہند اپنے اہم واقعات کو سیلاب نوح سے شمار کرتے ہیں اس کے لئے یہ سیلاب نوح سے ہر ساٹھ سال کے دورانیہ یا وقفہ کو ایک اکائی یعنی ایک سال مانتے ہیں، اس کی تائید اے جے اے ڈیوبوئیس کے اس پیراگراف سے ہوتی ہے۔۔۔ ہندوؤں کا موجودہ یگ، کل یگ تقریباً سیلاب نوح کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ وہ اس واقعہ کو واقعی یادگار واقعہ